بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۰

نظرات

ماہنامہ " البلاغ " حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ کی زیر سرپرستی کراچی سے شائع ہوتا ہے۔ اس کے فروری کے شمارے میں صدر مملکت کے اس بیان پر تبصرہ کیا گیا ہے جو انھوں نے لاہور میں مسلم لیگ کے کارکنوں کے اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے یکم جنوری ۱۹۶۹ء کو دیا تھا۔ صدر مملکت نے فرمایا تھا:-

" ملک میں اسلامی قوانین کے نفاذ کا مسئلہ بڑا پیچیدہ ہے۔ یہ محض جذبات سے حل نہیں ہو سکتا۔ اس کے بہت سے نازک پہلو ہیں، مسلمانوں کے بہت سے طبقے ہیں، جن کے مختلف معاملات میں مختلف عقائد اور خیالات ہیں۔ اس لئے ان معاملات پر یکساں قوانین کا نفاذ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ علماء کسی ایک بات پر متفق نہ ہو جائیں۔ علماء، قانون دانوں، وکلاء اور عوامی نمائندوں کے مشورے سے مسوّدہ تیار کر سکتے ہیں، جو ملک بھر میں نافذ کیا جا سکے۔ اگر ان کے تیار کردہ مسوّدے کو عوام کی منظوری حاصل ہو گئی تو میں اس پر دستخط کر کے فخر محسوس کروں گا۔"

اسی سلسلے میں صدر مملکت نے "علماء سے اپیل کی کہ وہ مل جل کر بیٹھیں اور اسلامی ضابطہ کا ایک ایسا جامع مسوّدہ تیار کریں جو مسلمانوں کے تمام فرقوں کے لئے قابل قبول ہو اور جو قومی اسمبلی کی منظوری کے بعد ملک میں نافذ کیا جا سکے۔"

صدر مملکت کے اس بیان پر اپنے تبصرے میں " البلاغ " کے مدیر اعلیٰ نے بعض ضمنی باتیں بھی فرمائی ہیں، جن سے ہم فی الحال قطع نظر کرتے ہوئے اسلامی قوانین کے نفاذ کی راہ میں حائل صدر مملکت نے جن مشکلات کی نشان دہی کی ہے، ان کا فاضل مدیر نے جو حل تجویز فرمایا ہے، اس پر کچھ عرض کرنا چاہتے

ہیں۔ موصوف لکھتے ہیں :-

"ہمیں تسلیم ہے کہ ملک میں مسلمانوں کے کئی فرقے پائے جاتے ہیں. قانونی مسائل میں ان کے درمیان اختلافات بھی بلاشبہ ہیں. بعض اوقات انہی مسائل پر ان فرقوں کے درمیان شدید نزاع وجدال بھی برپا رہا ہے. لیکن اصل غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اسلامی قانون سازی کے لئے ان اختلافات کو بالکلیہ ختم کرنا ضروری ہے یا ان اختلافات کو باقی رکھتے ہوئے قانون سازی کی کوئی ایسی صورت نکالنی چاہئے جس میں تمام فرقوں کی پوری رعایت رکھی گئی ہو۔"

صاحبِ موصوف کی رائے یہ ہے کہ فرقوں کے آپس کے باہمی اختلافات باقی رکھے جائیں. کیونکہ ان کے نزدیک "اس اختلاف کے خاتمے کی تمنا کرنا انسانی فطرت سے صرفِ نظر کر لینے کے مرادف ہے." چنانچہ ان کا ارشاد یہ ہے "اس صورت میں ملک کا عام قانون تو سُنّی حنفی مسلک کے مطابق ہوگا. کیونکہ ملک میں اس مسلک کی اکثریت ہے. دوسرے فرقوں میں جس فرقے کے نظریات اس سے مختلف ہوں گے، ان کا شخصی قانون علیحدہ بنا دیا جائے گا."

مدیر اعلیٰ "البلاغ" کے خیال میں اس سے کوئی خاص قباحت نہیں ہوگی۔ ان کے الفاظ میں

"کیونکہ سُنّی حنفی مسلک میں سب سے بڑی جماعتیں دو ہیں۔ ایک دیوبندی مکتبِ فکر سے وابستہ، 1
دوسری بریلوی مسلک سے تعلق رکھنے والی۔ ان میں باہم کتنے ہی مسائل میں اختلاف ہو، مگر قانونی مسائل میں
ذرہ برابر اختلاف نہیں۔ اسی طرح اہلِ حدیث اور حنفی مسلک کے عام اختلافات عبادات کی ادائیگی کی صورتوں 2
میں ہیں. قانونی مسائل میں ایک دو مسئلے کے سوا کوئی اختلاف نہیں. ان میں انہیں مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے. اب ملک
کے قابلِ ذکر فرقوں میں صرف شیعہ حضرات رہ جاتے ہیں. ان کا شخصی قانون بے شک سنی حنفی قانون سے 3
بہت سے معاملات میں الگ ہے. صرف ان کے لئے شخصی قانون الگ بنا دینا نہ کوئی مشکل ہے اور نہ اس
میں کوئی قباحت. انگریزی دَور میں بھی ان کا شخصی قانون عام مسلمانوں کے قانون سے الگ تھا."

اب جہاں تک مدیر اعلیٰ صاحب کا یہ ارشاد ہے کہ شیعہ حضرات کے لئے سنی حنفی قانون سے الگ قانون ہو اور یہ کہ انگریزی دَور میں بھی ان کا یعنی شیعہ حضرات کا شخصی قانون عام مسلمانوں کے قانون سے الگ تھا اور اس میں کوئی قباحت نہیں۔ تو عرض یہ ہے کہ انگریز تو اجنبی اور غیر مسلم حاکم تھے اور ان کا مفاد اس میں تھا کہ مسلمان برابر فرقوں میں بٹے رہیں، اور ان کے باہمی فرقہ وارانہ اختلافات کم نہ ہوں بلکہ اور بڑھتے جائیں تاکہ وہ اپنی "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" کی پالیسی سے خوب فائدہ اٹھا سکیں. ایک اسلامی حکومت کا

تو فرض یہ ہونا چاہیئے کہ وہ مسلمان فرقوں کے درمیان اختلاف کی جو خلیج گزشتہ صدیوں میں پیدا ہوگئی ہے، اسے کم کرے، نہ کہ اس کو قانونی حیثیت دے کر اور مستحکم کرے۔ اور یاد رہے کہ یہ معاملہ یہیں تک نہیں رہے گا بلکہ پھر مطالبہ ہوگا کہ ہر فرقے کے لئے اسلامیات کی تعلیم کا بھی الگ انتظام اور الگ نصاب ہو۔ وغیرہ وغیرہ

بہر حال یہ تو ضمناً ایک بات آگئی۔ اب ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں

صدر مملکت نے یہ جو کہا ہے کہ ملک میں اسلامی قوانین کے نفاذ کا مسئلہ بڑا پیچیدہ ہے اور اس کے بہت سے نازک پہلو ہیں، اس کے جواب میں ہمارے معاصر نے فرمانے کو تو یہ فرما دیا کہ مسلمانوں کے جو فرقے ہیں، ان میں اختلافات رہے اور ضرور رہیں۔ پس ان کے لئے الگ الگ قانون بنا دیئے جائیں۔ اور یہ کہ "شخصی قوانین میں بعض فرقوں کی علیحدگی کوئی ایسی بُری یا اچنبھی بات نہیں ہے، جس سے وحشت کی جائے۔ شخصی قوانین میں یہ تفریق آج بھی موجود ہے اور عدالتیں ہر فرقے کے شخصی قوانین کا فیصلہ آج بھی اسی کے مسلک کے مطابق کرتی ہیں۔"

لیکن اس کی وجہ سے عملاً جو دشواریاں پیش آرہی ہیں۔ اور ان کا ہمارے اجتماعی اخلاق پر جو بُرا اثر پڑ رہا ہے، اس تک معاصر محترم کی نظر نہیں گئی۔

ماہنامہ "فکر و نظر" میں "پاکستان میں اسلامی قانون کا مستقبل" کے عنوان سے آج کل مضامین کا ایک سلسلہ چھپ رہا ہے، جس کے لکھنے والے ایک ممتاز ایڈوکیٹ ملک محمد جعفر ہیں جو ملک کی اعلیٰ عدالتوں میں قانونی پریکٹس کرتے ہیں اور اس پیشے کا طویل تجربہ رکھتے ہیں۔

سُنّیوں اور شیعوں میں شخصی قوانین کے متعلق بعض اہم شعبوں میں جو اختلافات پائے جاتے ہیں، ان کا کافی تفصیل سے ذکر کرنے کے بعد ملک محمد جعفر صاحب لکھتے ہیں کہ قیام پاکستان کے بعد زرعی اراضی کی وراثت کے بارے میں رواج کے بجائے اسلامی قانون کے نفاذ سے یہ توقع تھی کہ وراثت کے قانون میں یکسانیت پیدا ہو جائے گی اور اس نوعیت کے مقدمات کا آسانی سے فیصلہ ہو جایا کرے گا، لیکن ملک صاحب کے الفاظ میں "بدقسمتی سے یہ مقصد صرف جزوی طور پر حاصل ہو سکا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے ۔۔۔۔ اگر متعدد ذیلی فرقوں کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو بھی دو بڑے فرقوں کے اپنے اپنے علیحدہ فقہی قواعد پر عمل کرنا لازمی ہے اور اس وجہ سے ہر مقدمہ میں یہ فیصلہ کرنا بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ فریقین کس فرقے سے تعلق رکھتے ہیں۔"

وراثت کے مقدمات میں دقّت یہ ہے کہ ان میں فیصلہ طلب مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ متوفی کا تعلق کس فرقے سے تھا۔ چنانچہ ہر فریق کے لئے یہ گنجائش پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے دعوے کی تائید میں جس قدر شہادت چاہے، پیش کرے۔

ملک صاحب لکھتے ہیں" جن لوگوں کو عدالتی کارروائیوں سے کچھ تعلق ہے، وہ جانتے ہیں کہ ان مقدمات کی تعداد میں کس طرح اضافہ ہوا ہے، جن میں کسی کے مذہبی فرقہ کا تعین ایک متنازعہ فیہ امر ہوتا ہے۔ بالخصوص ان علاقوں میں اس مقدمہ بازی نے ایک تشویش ناک صورت اختیار کر لی ہے، جہاں فرقہ کے اعتبار سے مخلوط آبادی ہے اور مقامی رائے عامہ کسی مذہبی فرقہ کے بارے میں غلط بیانی کے خلاف زیادہ شدید ردّعمل نہیں رکھتی۔"

متوفی کو سنّی یا شیعہ ثابت کرنے کی ضرورت اس لئے پڑتی ہے کہ "سنّی قانون کی نسبت شیعہ فقہ لڑکیوں اور ذوی الارحام کے لئے زیادہ فائدہ مند ہے ..... متوفی کے مردیک جدی دعویٰ کرتے ہیں کہ متوفی سنّی فرقہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اور اس کے مقابلہ میں اس کی لڑکیاں اور دیگر ذوی الارحام کہتے ہیں کہ متوفی شیعہ تھا۔ .... اس طرح کی مقدمہ بازی کا کچھ تجربہ رکھنے والے لوگ بخوبی جانتے ہیں کہ کس طرح دونوں جانب سے اس بارے میں جھوٹی شہادتیں پیش کی جاتی ہیں۔"

جعفر صاحب نے بحیثیت ایک PRACTISING ADVOCATE کے یہ بھی بتایا ہے کہ اس طرح کی جھوٹی شہادتوں کا معاملہ گو زیادہ تر وراثت کے مقدمات میں پیش آتا ہے لیکن قانون کے دیگر شعبوں میں بھی فرقہ وارانہ اختلافات کی وجہ سے ہمارے معاشرے میں بعض دوسرے ناپسندیدہ رجحانات بھی پیدا ہو رہے ہیں۔ ایسے واقعات ہو چکے ہیں کہ ایک شخص نے محض جائداد کے متعلق اپنے حقوق یا اختیارات کو بہتر بنانے کے لئے یا کسی نابالغ بچے کی سرپرستی حاصل کرنے کے لئے اپنا مذہب تبدیل کر لیا۔

موصوف لکھتے ہیں :- اس میں شک نہیں صورت حال ابھی زیادہ خراب نہیں ہوئی۔ اس کی دو وجہیں ہیں۔ ایک تو اسلامی قانون ابھی تک تنازعات کے صرف چند محدود شعبوں میں نافذ کیا جاتا ہے۔ اور دوسرے سنّی اور شیعہ فقہ کے باہمی اختلافی مسائل کا علم معدودے چند لوگوں کو ہے۔ اس بات کا آسانی سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اگر اسلامی قانون کو وسعت دی جائے اور ساتھ ہی فقہ کے تفصیلی احکام کا علم بھی عام ہو جائے (اور یہ دونوں مقاصد اپنی جگہ مستحسن ہیں اور ان کا حصول ہماری قومی پالیسی کا جزو ہے) تو اندازہ لگائیے کہ مقدمہ بازی کتنی بڑھ جائے گی اور اس کی نوعیت ہمارے معاشرے کے لئے کتنی خطرناک ہو گی۔ ملک صاحب کے نزدیک اس معاملے میں جس زاویے سے بھی غور کیا جائے، یہ امر بالکل واضح ہے کہ فریقین یا ان میں سے کسی ایک کے فرقے کی فقہ کی بنیاد پر اسلامی قانون کا نفاذ ایک ناپسندیدہ صورت حال ہے، جس میں مقدمہ بازی کے متعلق انتشار اور ابتری کے نہایت خطرناک نتائج مضمر ہیں۔ اس سے نمٹنے کے بارے میں وہ یہ تجویز کرتے ہیں۔

(۱) اس مسئلے کا واحد حل یہ ہے کہ اسلامی قانون کو غیر فرقہ وارانہ بنیادوں پر مدون کیا جائے۔

(۲) اسلامی قانون کو غیر فرقہ وارانہ بنیادوں پر مدون کرنے کے حق میں ایک مضبوط رائے عامہ پیدا کی جائے۔ کیوں کہ قانون میں کوئی تبدیلی اس وقت تک فائدہ مند ثابت نہ ہوگی جب تک کہ اس کو عوام کی تائید حاصل نہ ہو۔

اب ظاہر ہے یہ مضبوط رائے عامہ ہمارے علماء کرام ہی پیدا کر سکتے ہیں اور بدقسمتی سے وہ اس کے لئے اس وقت مطلقاً تیار نہیں۔

ہمارے علماء کے برخلاف اسی زمانے میں بہت سے دوسرے مسلمان ملکوں کے علماء نے اپنے ہاں کی حکومتوں سے تعاون کیا۔ اور اس کے نتیجے میں وہاں غیر فرقہ وارانہ بنیادوں پر اسلامی قانون کی تدوین کی طرح پڑی۔ اور وہ اب اس راہ پر آگے بڑھ رہے ہیں۔

کچھ عرصہ ہوا "اسی" فکر و نظر" میں مولانا مفتی امجد العلی کے مضامین کا ایک سلسلہ" تشکیل قوانین اسلامی کے تاریخی مراحل" کے عنوان سے شائع ہوا ہے، جس میں مفتی صاحب نے اس ضمن میں بعض مسلمان ملکوں میں حال ہی میں جو کوششیں ہوئی ہیں، ان کا ذکر کیا ہے۔ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں :" اب موجودہ دور میں ایسے بے شمار واقعات وجود میں آگئے ہیں اور آ رہے ہیں کہ ان کا حل ہم کسی ایک فقہ میں محصور ہو کر تلاش نہیں کر سکتے! اس لئے کہ کسی امام کی فقہ میں کسی ایک مسئلہ کے لئے تشدیدی حکم ہوگا۔ اور دوسرے امام کی فقہ میں اس حادثہ کے لئے کراہت تحریمی کا حکم ہوگا اور دوسری یا تیسری فقہ میں جائز و مباح۔ اور موجودہ دور کے حالات کا لازمی اقتضاء یہ ہوگا کہ اس مسئلہ میں تحقیقی حکم اختیار کیا جائے، تشدیدی نہیں۔ یا کراہت (حرمت) کو اختیار کیا جائے، جواز و اباحت کو نہیں۔"

اس ضرورت کو ان مسلمان ملکوں کے علماء نے محسوس کیا اور بجائے اس کے جیسا کہ مدیر "البلاغ" اور ان کے ہم خیال پاکستان کے دوسرے علماء کی طرح وہ اس پر مصر ہوتے کہ کسی ایک فقہ ہی کو نافذ کر دیا جائے۔ ان کا اصول کار مفتی امجد العلی کے الفاظ میں یہ ہوا :" اسی بنا پر آج ممالک اسلامیہ اردن، مصر، شام، سوریا اور تونس میں علماء مقننین نے احکام اسلامیہ کی تقنین و تشریع میں سلف صالحین میں سے تابعین و تبع تابعین اور متاخرین میں سے علامہ اشعری اور شاہ ولی اللہ رحمھم اللہ ہی کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے اپنے ممالک میں زندگی کے ہر پہلو پر قوانین مرتب کر لئے ہیں، جو آج ان ممالک میں نافذ و معمول بہا ہیں۔"

اور یہ طریقہ کار تھا کسی ایک فقہی مذہب تک محدود نہ رہنا، بلکہ سب کو ایک ہی سا مقام دینا۔

یہاں مفتی صاحب نے جامعہ عین الشمس (قاہرہ) کے استاذ شریعۃ اسلامیہ ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ کی یہ رائے نقل کی ہے :۔ "والھدف الذی نرمی الیہ ھو تطویر الفقہ الاسلامی وفقاً لاصول صناعتہ حتی نشتق منہ قانوناً حدیثاً یصلح للعصر الذی نحن فیہ ....." (اس وقت جو چیز ہمارے پیش نظر ہے، وہ یہ ہے کہ ہم سابقہ ادوار میں فقہ کے تغیر و تبدل کو پیش نظر رکھ کر ایک ایسا جدید قانون مرتب کریں جو عصر حاضر کے تمام تقاضوں کو پورا کر سکے ۔)

متحدہ عرب جمہوریہ (مصر) کے محکمہ اوقاف کے شعبہ مجلس اعلیٰ شئون اسلامیہ کے زیر اہتمام فقہ اسلامی کا ایک دائرۃ المعارف لعنوان "موسوعۃ جمال عبدالناصر فی الفقہ الاسلامی" شائع کیا جارہا ہے۔ اس کے جزو اول میں فقہ اسلامی کے "التدوین الجماعی" کی سرخی کے تحت فتاویٰ عالمگیری کی تدوین کا ذکر ہے۔ پھر دولت عثمانیہ کے "مجلۃ الاحکام العدلیۃ" اور پھر مصر میں مدون کئے جانے والے احکام کا تذکرہ ہے۔ دولت عثمانیہ کا سرکاری فقہی مذہب اور اسی طرح وہاں کی غالب آبادی کا بھی فقہی مذہب حنفی تھا لیکن اس کے باوجود بعض مسائل میں دوسرے فقہی مذاہب کے قواعد لئے گئے۔

جامعہ اسکندریہ (مصر) کے استاذ شریعۃ اسلامیہ عمر عبداللہ اپنی ایک کتاب میں تدوین قانون فقہی کے مختلف ادوار پر تبصرہ کرتے ہوئے دولت عثمانیہ اور حکومت مصر کی ان کوششوں کا خلاصہ یوں پیش کرتے ہیں :۔ "..... پھر دولت عثمانیہ نے قانون ازدواج اور فرقت بین الزوجین کا قانون جاری کیا، جس میں مذہب حنفی کے بعض احکام سے اعراض کرتے ہوئے دوسرے مذاہب اسلامیہ کے احکام کو پیش نظر رکھا گیا۔ مثلاً تفریق بین الزوجین۔ عدم وقوع طلاق مکرہ وسکران اور فساد زواج مکرہ ۔ اور یہ کہ قانون زواج و فرقت بین الزوجین میں حکومت ترکیہ نے مذہب حنفی کے علاوہ دیگر مذاہب اسلامیہ (فقہ شافعی، مالکی، حنبلی) کے احکامات کو شامل کیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ جدید معاشرے میں ایسے نئے واقعات اور معاملات ظہور میں آگئے تھے کہ ان پر کسی ایک فقہ اسلامی کا اطلاق مشکل تھا۔"

اس ضمن میں مصر میں وقتاً فوقتاً جو قوانین اسلامی مدون کئے گئے، ان کا ذکر کرتے ہوئے استاذ عمر عبداللہ لکھتے ہیں:۔

"قوانین کی تدوین و تشریع کا یہ سلسلہ ۱۹۲۰ء تک دھیرے دھیرے جاری رہا۔ یہاں تک کہ ۱۹۲۶ء میں وزارت عدل نے اس وقت کے شیخ جامعہ ازہر کی زیر صدارت قوانین شرعیہ

کی ترتیب و تشکیل کے لئے مشاہیر علماء مصر کا ایک ادارہ قائم کیا۔ اسی ادارے نے قوانین میراث و وصیت و وقف وغیرہ کا دوبارہ قانون مرتب کیا، جسے مصری پارلیمنٹ میں پیش کیا گیا۔ اور معمولی سی ترمیم کے بعد پارلیمنٹ نے اس کے نفاذ کی بالاتفاق آراء منظوری دے دی۔ ان قوانین کو مجموعی طور پر تمام مذاہب اسلامیہ (حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنبلیہ) سے اخذ کیا گیا تھا۔ کسی ایک فقہ پر انہیں محصور نہیں کیا گیا اور نہ یہ کسی خاص مذہب کے ساتھ مخصوص تھے۔"

مفتی امجد العلی صاحب استاذ عمر عبداللہ کے یہ اقتباسات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :۔

"آج تمام اسلامی ممالک کے، خواہ عرب ہوں یا غیر عرب، علماء اس امر پر متفق پائے جاتے ہیں کہ احکامات شرعیہ اسلامیہ کی قانونی تشکیل و ترتیب اسی صورت میں عصر حاضر کے لئے صحیح ہو سکتی ہے۔ اگر کسی ایک فقہ پر مسائل کے حل کا انحصار نہ رکھا جائے، بلکہ تمام فقہاء متقدمین کے اقوال فقہ کو احکام شرعیہ کا ایک حصہ سمجھا جائے اور ان سب سے استنباط کیا جائے۔ چنانچہ عصر حاضر کے مشہور مصنفین مثلاً . . . . . کی قانونی تصنیفات امام عبدالوہاب شعرانی کی اس وصیت کی مکمل تصویر ہیں، جسے امام موصوفؒ نے ان الفاظ میں پیش کیا ہے۔

ولا بدّ لکل مسلم من احد ھذہ الطرق لیطابق اعتقادہ بالجنان قولہ باللسان ان سائر ائمۃ المسلمین علی ھُدی من ربھم فی کل حینٍ وآنٍ۔ (اور ہر مسلم کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان طریقوں میں سے کسی ایک سے کام لے تاکہ اس کا قلبی عقیدہ اس کے قول کے مطابق ہو سکے کہ تمام ائمہ مسلمین ہدایت پر ہیں جو انہیں ان کے رب کی طرف سے عطا کی گئی)

اور ان اصحابِ قلم نے امام ابوشامہ کے اس قول پر عمل کرنے سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا ہے، جسے شاہ ولی اللہؒ نے "انصاف" میں یوں نقل فرمایا ہے :۔

"فیمن لا یجوز أن یستفتیٔ الحنفی مثلاً شافعیاً وبالعکس ولا یجوز أن یقتدی الحنفی بامام الشافعی مثلاً فانّ ھذا قد خالف اجماع قرون الاُولیٰ وناقض الصحابۃ والتابعین (اور یہ جائز نہیں کہ حنفی مثال کے طور پر شافعی سے فتویٰ لے اور اسی طرح اس کے برعکس۔ اور نہ حنفی کا شافعی امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے . . . . .")

اب ہم پھر "موسوعۃ جمال عبدالناصر فی الفقہ الاسلامی" کی طرف آتے ہیں۔

اس میں مصر میں صادر ہونے والے قانون المواریث (۱۹۴۳ء)۔ قانون الوقف (۱۹۴۶ء) اور قانون

الوصیۃ (۱۹۴۶ء) کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کے احکام کو احوال شخصیۃ کی کمیٹی نے مذاہب اربعہ، مذاہب صحابہ و تابعین، مذہب الطبری، مذہب ابن حزم، مذہب الزیدیہ سے منتخب کیا ہے۔ اور ان کی تدوین میں "مبدأ التلفیق" سے کام لیا ہے۔ (ایک کپڑے کو دوسرے کپڑے سے جوڑ کر انہیں باہم سینا تلفیق ہے۔)

خود اس موسوعہ کی ترتیب میں ہر مسئلے کے متعلق ان آٹھ مذاہب فقہ کے احکام دیئے گئے ہیں :۔

حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ، ظاہریہ، امامیہ، زیدیہ، اباضیہ (خارجیہ)۔

نیز گزشتہ صدیوں میں مسلمانوں کے ہاں جو فقہی اختلافات رہے ہیں، ان کا ذکر "موسوعہ" میں یوں کیا گیا ہے:۔

مسلمان فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئے بہ سبب حکومت، امامت اور سیاست کے۔ آپس کے اس تفرقے نے ان میں ضعف و شکست خوردگی پیدا کر دی، جس کے نتیجے میں ان کے دشمن ان پر غالب آ گئے اور ان کے ملکوں پر قابض ہو گئے۔ انھوں نے مسلمانوں کے احکام ربی ختم کر دیئے اور ان پر اپنے ایسے قوانین فرض کئے جو ان کی فطرت اور روایات سے ہم آہنگ نہ تھے۔ ۔ ۔ اب مسلمانوں کے لئے لازمی ہے کہ وہ اس غفلت سے ہوش میں آئیں اور سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑیں۔ وہ اسباب اختلاف کو جس کا عہد گزر گیا، کالعدم کر دیں اور متحد و مجتمع ہو کر اور سلف صالح کی سیرت کی طرف لوٹ کر اپنے دشمن کا مقابلہ کریں۔

اس کے بعد "موسوعہ" میں لکھا ہے:۔ "مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ تمام خطوں کے فقہائے کبار اور ائمہ مذاہب اسلامیہ کو جمع کرنے کے لئے باہم اقدام کریں تاکہ باہم صلاح و مشورے سے خلفاء راشدین کی سنت کا احیاء ہو سکے۔ اور آج جو واقعات و حادثات ظہور پذیر ہو رہے ہیں، ان کے لئے اللہ کی نازل کردہ کتاب اس کے رسول صلعم کی سنت اور ائمہ دین کی ہدایات سے احکام مستنبط کریں۔ اور ان سب سے اصول مسائل اور قواعد کلیہ اخذ کریں تاکہ وہ ہر اسلامی ملک کی قانون سازی کے لئے اساس بن سکیں"۔

غرض یہ ہے آج اسلامی قانون سازی کا رجحان دوسرے مسلمان ملکوں میں کہ وہ نہ صرف فقہ کے مذاہب اربعہ کو باہم مدغم کر رہے ہیں، بلکہ ان کی کوشش ہے کہ فقہ اسلامی کے کُل آٹھ جو مذاہب ہیں ان سب کو ایک مشترک مرجع و مصدر مان کر اُن کی اساس پر آج کی ضرورتوں کے لئے مناسب احکام و قواعد وضع کریں۔ یہ ارتقائی عمل گزشتہ صدی سے جاری ہے۔ اور اب اس کی رفتار اور وسعت میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ کچھ تفنن یا نیاپن کے شوق کے لئے نہیں۔ ایک ملک کے اندر قانون کی وحدت اس کے عوام کی جذباتی وحدت و ہم آہنگی کا باعث ہوتی ہے۔ اور مسلمان عوام جو صدیوں سے مذہبی فرقہ واریت

کی وجہ سے تفرقہ وانتشار کا شکار ہیں، انہیں اس قسم کی جذباتی وحدت و ہم آہنگی کی آج سخت ضرورت ہے۔ دوسرے تیزی سے بدلتے ہوئے سیاسی و معاشی اور اجتماعی حالات فوری طور پر اصلح والنسب واوفق قوانین کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اور مسلمان حکومتیں مجبور ہیں کہ وہ وقت کی اس اہم ضرورت کو پورا کریں۔

مدیر محترم "البلاغ" نے صدر مملکت کو مشورہ دیا ہے کہ وہ ایک ادارہ قائم کریں جس میں ہر مکتب فکر کے ممتاز علماء دین کے ساتھ ساتھ ماہرین قانون کو جمع کیا جائے۔ اور موصوف کے الفاظ میں "اس ادارے کے بنیادی اصولوں میں یہ بات شامل ہونی چاہئے کہ قرآن و سنت کو کسی خاص نظام یا قانون کے مطابق بنانے کے بجائے غیر جانبداری کے ساتھ قرآن و سنت کا حقیقی مفہوم سمجھنے اور ان سے وقت کی تمام پیش آمدہ مشکلات کا قابل عمل حل تلاش کرنے کی پوری کوشش کی جائے گی۔"

جس خلوص اور حسن نیت سے یہ تجویز پیش کی گئی ہے، ہم اس کی انتہائی قدر کرتے ہیں۔ اور موصوف نے علماء کے لئے یہ شرط کہ وہ "اپنے علم و فضل، ورع و تقویٰ اور خلوص و دیانت میں معروف ہوں اور انہیں قوم کا اعتماد حاصل ہو"۔ اور ماہرین قانون کے لئے یہ شرط کہ وہ "دین پسندی میں معروف ہوں اور فی الواقع دل سے چاہتے ہوں کہ ملک میں اسلامی قانون روبعمل آئے" رکھی ہے، اگرچہ ان کے حاملوں پر اتفاق رائے تو کیا، اکثریت رائے کا بھی حصول بے حد مشکل ہوگا، لیکن اگر یہ ہو بھی جائے تو جب تک پاکستان میں اسلامی قانون کی تشکیل جدید کے بارے میں وہ ذہنی فضا پیدا نہیں ہوتی، جو ان مسلمان ملکوں میں ہوئی جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے، ہمارے ہاں یہ منزل مقصود کبھی قریب نہیں آنے کی۔ نیا اسلامی قانون مختلف فرقوں کو باہم قریب لانے سے ہی تشکیل پذیر ہوگا۔ اور ہمارے علماء کرام کو سب سے پہلے یہ کام کرنا چاہئے۔

"فکر و نظر" کے اسی شمارے میں ملک محمد جعفر نے اس مسئلے پر بڑی اچھی بحث کی ہے۔ ہم جناب مدیر "البلاغ" کی توجہ اس طرف مبذول کراتے ہوئے ان سے درخواست کریں گے کہ وہ ملک صاحب موصوف اور مولانا مفتی امجد العلی صاحب کے مضامین کا مطالعہ فرمائیں اور اس کے بعد اس بارے میں اپنی رائے دیں۔ ہمارے نزدیک جب تک اسلامی قانون کی تدوین جدید غیر فرقہ وارانہ بنیادوں پر نہیں ہوگی، اور اس میں تمام مذاہب فقہ سے یکساں استفادہ نہیں کیا جائے گا، یہ مسئلہ حل نہیں ہو سکے۔